مولانا حذیفہ وستانوی*

# قرآن کی حفاظت کے لیے
## اللہ کا حیرت انگیز انتظام

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ '' (سورۃ الحجر: پ۱۴/۹) ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا، گویا اس کی حفاظت کے لیے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ '' (سورۃ آل عمران: پ۳/۹) اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بس اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور کتاب اللہ کی حفاظت کا حیرت انگیز انتظام کیا۔ اس طور پر کہ اس کے الفاظ بھی محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ، اس کا رسم الخط بھی محفوظ، اس کی عملی صورت بھی محفوظ، اس کی زبان بھی محفوظ، اس کا ماحول بھی محفوظ، جس عظیم ہستی پر اس کا نزول ہوا اس کی سیرت بھی محفوظ، اور اس کے اولین مخاطبین کی سیَر بھی یعنی زندگیاں بھی محفوظ۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کے لیے جتنے اسباب و وسائل اور طریقے ہوسکتے تھے، سب اختیار کیے، اور یوں یہ مقدس اور پاکیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جانب سے مکمل محفوظ ہوگئی۔ الحمدللہ آج چودہ سو انتیس سال گذرنے کے بعد بھی اس میں رتی برابر بھی تغیر و تبدل نہ ہوسکا، لاکھ کوششیں کی گئیں، مگر کوئی ایک کوشش بھی کامیاب اور کارگر ثابت نہ ہوسکی، اور نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔

### کتاب الٰہی کی، کیسے حفاظت کی گئی؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات حدیث میں تحریر فرماتے ہیں'' کتاب الٰہی کے تحفظ کے لیے اللہ رب العزت نے دس چیزوں کو تحفظ دیا، یہ دس چیزیں وہ ہیں، جو قرآن پاک کے تحفظ کی خاطر محفوظ کی گئی ہیں''۔

وہ کون سی چیزیں ہیں، جو قرآن کے خاطر محفوظ کی گئیں؟

قرآن کی حفاظت کی خاطر نو چیزیں محفوظ کی گئیں:

---

* استاذ: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار

(۱) قرآن کی کا متن یعنی اس کے بعینہ وہ الفاظ، جو اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے یا وحی کے کسی اور طریق سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی، تو آپ فوراً کاتبین وحی میں سے کسی سے کتابت کروا لیتے، پھر صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے بھی اُسے سنتے، اور جو تحریر کیا ہوا ہوتا، اُسے بھی محفوظ کر لیتے، اس طرح ۲۳ رسال تک قرآن، نزول کے وقت ہی لکھا جاتا رہا، صحابہ نے اسے حفظ بھی یاد کیا، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حفظ کی بڑی فضیلتیں بیان کی۔ ایک روایت کے مطابق صحابہ میں سب سے پہلے حفظِ قرآن مکمل کرنے والے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دورِ ابی بکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ کے کے مشورے سے اس کی تدوین عمل میں آئی، یعنی اس کو یکجا کر لیا گیا اور دورِ عثمانی میں اس کی تنسیخ، عمل میں آئی، یعنی اس کے مختلف نسخے بنا کر کوفہ، بصرہ، شام، مکہ وغیرہ جہاں جہاں مسلمان آباد تھے بھیج دیے گئے، یہ تو تحریری صورت میں حفاظت کا انتظام ہوا، اس کے علاوہ اس کو لفظ بلفظ یاد کرنے کا التزام کیا گیا، وہ الگ۔ اس طرح قرآن سینہ وسفینہ دونوں میں مکمل لفظاً محفوظ ہو گیا، اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ آج بھی جاری ہے، قیامت تک جاری رہے گا، انشاء اللہ۔ **اللھم اجعل القرآن ربیع قلوبنا و جلاء اعیننا۔**

(۲) جہاں اللہ رب العزت نے اس کے متن کی حفاظت کی، وہیں اس کے معنی ومفہوم اور مراد کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہونا کافی نہیں تھا، کیوں کہ مراد اور معنی اگر محفوظ نہ ہو، تو اس کی تحریف یقینی ہو جاتی ہے، کتب سابقہ کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا، کیوں کہ اس کے الفاظ اگر چہ کچھ نہ کچھ محفوظ رہے، مگر اس کے معانی و مفہوم تو بالکل محفوظ نہ رہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے اقوال وافعال واعمال کو محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہ کیا، جس کے نتیجہ میں الفاظ محفوظہ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکے، مثلاً عیسائی مذہب ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی، اور ہم اس کے علمبردار ہیں: نمبر ایک عدل وانصاف۔ نمبر دو محبت والفت۔ مگر اگر آپ، ان سے دریافت کریں کہ عدل وانصاف کس کو کہتے ہیں، تو وہ اس کا مفہوم نہیں بیان کر سکتے۔ یہی حال محبت کا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عدل اور محبت کی پرواہ کیے بغیر لاکھوں نہیں، کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے فروغ کی خاطر قتل کر دیا گیا، اور یہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں۔ اسی طرح یہودیت کی اصل بنیاد اس اصول پر ہے، کہ تم اپنے پڑوسی کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو۔ لیکن اگر آپ یہود کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا، کہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کو جتنا ستایا، اتنا دنیا میں کسی نے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستایا ہوگا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو اسرائیل کی جارحیت سے عیاں ہے، مگر اسلام، الحمد للہ سنت نبوی کے پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رہنے کی وجہ سے، قرآن کی تعلیمات پر مکمل طور

پر محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس طرح اللہ نے سنتِ رسول جس کو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہا جاتا ہے، کے ذریعہ معانی و مفاہیم اور مراد الٰہی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو تفسیر کی، جسے ''تفسیر بالمأثور'' کہا جاتا ہے، جس پر امام سیوطی، امام ابن کثیر وغیرہ، بے شمار علماء نے تفسیریں لکھیں، اور ہر آیت کی تفسیر، حدیث رسول سے کرکے دکھائی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی جانب سے ہے، کیوں کہ قرآن نے اعلان کیا ہے''ان علینا بیانہ'' (سورۃ القیٰمۃ: پ۲۹/ ۱۹) یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ایک جگہ پر ''جمعہ و قرآنہ'' ہے، ایک جگہ ارشاد ہے''و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنے جی سے نہیں کرتے، بلکہ وحی خداوندی ہی ہوتی ہے۔ اسی کو کسی فارسی شاعر نے کہا:

گفتۂ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس پوری گفتگو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ''تفسیر بالمأثور'' درحقیقت اللہ ہی کی، کی ہوئی تفسیر ہے، اور ظاہر ہے اللہ ہی اپنی مراد کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کی حفاظت سے معانی و مراد خداوندی بھی محفوظ ہو گئے؛ اللہ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول پر مرمٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(۳) قرآن کے الفاظ و معانی کے ساتھ ساتھ، وہ جس زبان میں نازل ہوا، وہ زبان یعنی عربی زبان بھی محفوظ۔ اس کے لیے بھی اللہ نے عجیب انتظام کیا، اس طور پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''احبوا العرب لثلاث انی عربی، و لسان أھل الجنۃ عربی، و القرآن عربی'' قرآن نے خود اعلان کیا''بلسان عربی مبین'' (سورۃ الشعراء: پ۱۹/ ۱۵۹) ہم نے قرآن کو صاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا۔ اگر آپ لسانیات کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا دنیا کی کوئی زبان تین چار سو سال سے زیادہ محفوظ نہ رہ سکی، یا تو وہ ختم ہو گئی یا کسی دوسری زبان میں ضم ہو گئی، یا ایسے تغیر و تبدل کی شکار ہو گئی کہ اس کی پہلی ہیئت باقی نہ رہ سکی، مگر عربی زبان مسلمانوں کی توجہ و عنایت کا ایسا شہکار ہے، جو بیان سے باہر ہے؛ اولاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی تربیت میں عربی زبان کی نوک و پلک کی درستگی کو خوب اہمیت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی، اپنی توجہ کو اس پر مبذول کیا، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو نحو عربی و صرف عربی کی بنیاد ڈال کر، اسے خاص توجہ کا مرکز بنایا، اور پھر آپ کے بعد اُمت کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اپنی زندگیاں اسی زبان کی حفاظت و ترویج میں وقف کر دی، ابوالاسود الدؤ دیلی، امام خلیل فراہیدی، امام سیبویہ، امام کسائی، امام فراء، امام مبرد، امام اخفش، امام

یعصم، امام تغلب، امام ثعلب، امام یشکر، امام ابن حاجب، امام ابن ہشام، امام ابن عقیل، امام ابن جنی، امام نفطویہ، امام زازویہ، امام خالویہ، امام راہویہ وغیرہ نے اپنی پوری زندگیاں صرف ونحو، علم بیان وغیرہ کی حفاظت کے لیے وقف کردیں، جس کی برکت سے آج بھی عربی زبان اسی اصل ہیئت پر باقی ہے، جس ہیئت پر وہ نزول قرآن کے وقت تھی، اور قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے تک جب تک اس قرآن کو باقی رکھنے کی اللہ کی مشیت ہوگی، امت کی ایک جماعت اس کارِ خیر میں مشغول رہے گی، انشاء اللہ۔

(۴) صرف الفاظ ومعانی اور قرآنی زبان ہی کی حفاظت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بل کہ اس کے الفاظ ومعانی کی عملی صورت کی حفاظت کا بھی پورے پورہ انتظام کیا گیا، اس طور پر کہ قرآن جس لفظ میں نازل ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مراد وحی کی روشنی میں صحابہ کو سمجھاتے، اور سمجھانے کے بعد اس کو عملاً بطور نمونہ، کرکے بھی بتلاتے تھے، جس کو آج کی زبان میں تھیوری (Theory) کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل (Practical) کا بھی اہتمام کیا جاتا، مثلاً نماز، قرآن نے صرف یہ الفاظ کہے "اقیموا الصلوۃ" (سورۃ البقرۃ:۱/۴۳) نماز قائم کرو، مگر پورے قرآن میں کہیں اس کی پوری تفصیل بالترتیب نہیں بتائی گئی، ہاں کہیں قیام، کہیں رکوع، کہیں سجود کو متفرق طور پر بیان کیا گیا، جب کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا طریقہ بالترتیب صحابہ کو بتایا، اور پھر اس کو عملی طور پر کرکے دکھایا اور کہا "صلوا کما رایتمونی اصلی" "نماز ایسی ہی پڑھو جیسی مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ نے بھی بدستور اس پر عمل جاری رکھا، اور تابعین بھی انہیں جیسا کرتے رہے، گویا انہوں نے بھی ہو بہو ایسا ہی کیا، اس کے بعد تبع تابعین، اس طرح آج تک نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنِ امت کا اس پر تعامل، اس طرح عملی صورت بھی محفوظ ہوگئی، یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ صلوۃ العید، صلوۃ الجنازۃ، زکوٰۃ، صدقہ، قربانی، تلاوت قرآن وغیرہ سب کی عملی صورت آج تک امت کے ذریعہ اللہ رب العزت نے محفوظ رکھی، اسلئے جب کوئی قرآن کی تفسیر وتشریح میں من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اُمت میں اس کو تلقی بالقبول (مقبولیت) حاصل نہیں ہوتا، البتہ کچھ افراد جو مفاد پرست ہو یا انکی اسلامی تربیت نہ ہوئی ہو، یا ضروری علم دین سے واقف نہ ہو، اس کے تابع ہوجاتے ہیں اور ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی ہے، عربی میں محاورہ مشہور ہے "لکل ساقطة لاقطة" ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کے مفاہیم ومرادوں کو بھی اللہ رب العزت نے تعامل کے ذریعہ محفوظ رکھا، یقیناً دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی مشیت کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لایعلمون (سورۃ یوسف:۱۲/۲۱)۔

(۵) میرے عزیزو! قربان جائیے اس رب کائنات پر، جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے ایسے ایسے

انتظام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور انسان اس کی کرشمہ سازیوں پر سر دھنتا رہ جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس ماحول میں قرآن کا نزول ہوا، جس سیاق وسباق میں آیتیں نازل ہوئی، اس ماحول کو بھی تحفظ اور دوام بخشا گیا، حدیث کے ذخیرے نے وہ پورا ماحول اس کی منظر کشی اور نقشہ کشی ہمارے سامنے رکھ دی، جب طالب حدیث اس کو پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے چشم تصور میں وہ سارا منظر متشکل ہو کر آجاتا ہے، جس منظر میں قرآن کریم نازل ہوا، جس پس منظر اور پیش منظر میں، قرآن مقدس کے احکام وہدایات پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے، صاحب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور موجودگی میں عمل درآمد شروع کیا، جس کو علم حدیث میں ''حدیثِ مسلسل'' کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ راوی نے، حدیث کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یا دیکھا، تو اس وقت جو کیفیت تھی، راوی جس سے روایت بیان کرتا ہے، اس کے سامنے وہی انداز واسلوب اختیار کرتا ہے، جس انداز سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اخذ کیا ہو، اور وہ پوری کیفیت بعینہٖ کر کے دکھاتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہو، مثلاً ''حدیث مسلسل بالتشبیک'' اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گناہ اور توبہ کے وقت ایمان کی کیفیت کو بیان کیا، کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے، تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو وہ دوبارہ دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو پرو کر علیحدہ کیا اور کہا ایمان گناہ کے وقت اس طرح نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر پرو کر (جس کو تشبیک الاصابع کہتے ہیں) بتایا، پھر اس صحابی نے بھی اس روایت کو بیان کر کے، اسی طرح کر کے بتایا، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے بظاہر ایسا کرنے سے کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، اگر نہ بھی کیا جاتا تو بات سمجھ میں آجائی گی، مگر اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر انسان اس ماحول میں چلا جاتا ہے، جس ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بیان فرمارہے تھے، مسجد نبوی میں یا جس مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرمارہے تھے، تو روحانی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعے دیکھتا چلا آرہا ہوں، بالکل اسی طرح کی کیفیت ''اسباب نزول آیات'' کے بولتے اور سنتے وقت ہوتی ہے۔

سبب نزول کہتے ہیں، حدیث میں وارد، اُن واقعات کو جو کسی آیت کے نزول کے وقت پیش آیا ہو، اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ جب آیت کا سبب نزول معلوم ہو جائے، تو اس پر مرتب احکام کا درجہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ ضروری بھی نہیں قرار کیا گیا، کہ ہر آیت کا سبب نزول ہو، مستقلاً علماء نے اس پر تصانیف چھوڑی، مثلاً

امام جلال الدین سیوطی، امام واحدی وغیرہ نے۔

(۶) قرآن کریم کی حفاظت کی غرض سے جہاں بہت ساری چیزوں کو تحفظ بخشا گیا، وہیں سیرت نبوی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ کیا۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مطالبات پر عمل کر کے بتایا تا کہ کل آ کر کوئی ایسا نہ کہے ہم قرآنی مطالبات پر عمل نہیں کر سکتے، یہ تو بڑے شاق اور دشوار گذار ہیں تو بطور نمونہ کے آپ نے عمل کر کے بتلایا اور عمل بھی ایسا، جیسا اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا گیا، تو آپؓ نے کہا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا ''کان خلقه القرآن'' آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ جہاں کوئی امر نازل ہوا، فوراً عمل کر کے بتایا، اسی لیے قرآن نے اعلان کر دیا ''لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة'' (سورۃ الاحزاب: پ۲۱، آیت ۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، اے مسلمانو! تمہارے لیے نمونہ ہے، دنیا میں کسی ہستی کی سیرت و حیات پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر ہوا، اور ہوتا چلا جا رہا ہے، آج بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے، بل کہ مزید اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اللهم اجعلنا ممن یتبع الرسول و یطیعه۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن کے نزول کے لیے منتخب کیا اور آپ کے لیے آخری دین، دین اسلام کو تجویز کیا، قرآن کی حقانیت کو باقی رکھنے کے لیے اس کے تقدس و علو مرتبت کو ثابت کرنے کے لیے صاحب قرآن کی عظمت اور تقدس کو باقی رکھنا بھی امر ناگیزی تھا، اللہ رب العزت نے اس کے لیے جو حیرت انگیز اور تعجب خیز انتظام فرمایا، اسی میں سے ایک یہ کہ آپ کے نسب مبارک کو بھی مکمل محفوظ کیا گیا، عرب جو امی، ان پڑھ تھے، مگر اس کے باوجود اقوام عالم میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے انساب کے یاد رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے یہی اہتمام بعد میں چل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں، مثلاً الانساب للامام السمعانی وغیرہ، علم الانساب کہتے اس ریکارڈ کو جس میں یہ محفوظ کیا جائے کہ کون سا قبیلہ کہاں سے وجود میں آیا، کس قبیلے کے کس آدمی کا باپ کون اس کا دادا کون، اسی طرح اوپر تک اس کی شادی کہاں ہوئی، اس کی اولاد کتنی تھی، عربی قبائل میں کس قبیلے کی کس قبیلے کے ساتھ رشتہ داری تھی وغیرہ۔

اب کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ عربوں کو ان موضوعات سے دلچسپی رہی ہوگی، یا انہیں اس طرح کی معلومات کے جمع کرنے کا شوق رہا ہوگا، لیکن بات اتنی کہنے سے نہیں ٹلتی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک حیرت انگیز بات کا انکشاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''جب ہم انساب کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک عجیب

وغریب بات سامنے آتی ہے، بہت عجیب وغریب، اتنی عجیب وغریب، کہ اس کو محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا، وہ عجیب و غریب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جتنی معلومات محفوظ ہوئیں، وہ مرکوز ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر حالانکہ جس وقت انساب کی حفاظت کا کام شروع ہوا، اس وقت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے''۔ مگر اللہ کو منظور تھا کہ آپ کا نسب مکمل محفوظ اور منسلک رہے تاکہ آپ کے آباء واجداد کی علوشان، ان کی پاکبازی سے آپ کی خاندانی شرافت اور کرامت کا ثبوت فراہم ہو، اور یوں صاحب قرآن کی شان بھی قرآن کے شایان شان ہونے کا ثبوت مہیا ہوجائے، اور کسی بھی ذی ہوش وخردمند کے لیے آپ کی تکذیب کا سوال باقی نہ رہے، اور آپ کی تصدیق دل وجان سے قبول کرلے، ہاں مگر یہ کہ اس میں حسد وعناد، سرکشی وشرارت ہو، اس طرح قرآن کی حفاظت اس کے وقار اور اس کی حقانیت کے ثبوت کے لیے اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کو محفوظ کرلیا، **واللہ علی کل شئی قدیر** ۔(سورۃ البقرۃ: پ۱، آیت ۱۰۶) **واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون** ۔(سورۃ یوسف: پ۱۲، آیت ۲۱)

(۸) قرآن کے نزول کے وقت اس کے اولین مخاطب اور اس کے اولین حاملین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین جو براہ راست مخاطب تھے، قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ نے ایک انتظام اور بندوبست یہ بھی کیا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات کو محفوظ کروالیا، ایک اندازے کے مطابق صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی، مگر ان میں سے اکثریت آخری دور میں قبولیت اسلام سے شرف یاب ہوئی، اس اولین حاملین، جنہیں قدیم الاسلام یا اولین مؤمنین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد کم وبیش پندرہ بیس ہزار رہی ہوگی، اور جن صحابہ نے آپ سے زیادہ کسب فیض کیا، ان کے حالات کو بھی اللہ نے محفوظ کرلیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان کے حالات کا علم ہوجائے اور انہوں نے ایمانی تقاضوں اور اسلامی مطالبات کو، جس حسن وخوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا، اس کی معرفت بھی حاصل ہوجائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول تھے، ان کے ساتھ اللہ کی خاص عنایت ورحمت تھی، انہوں نے اگر عمل کیا، یہ ان کی امتیازی شان تھی، مگر جب صحابہ کی زندگیاں بھی اسی نقش قدم پر پائی، تو معلوم ہوجاتا کہ ایسا نہیں اگر انسان ارادہ کرلے، تو مکمل ایمانی تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے، جیسا کہ صحابہ نے پورا کیا، اسی لیے قرآن نے کہا ''**امنوا کما آمن الناس**'' ایمان لاؤ صحابہ جیسا ایمان لائے۔ اس میں الناس پر الف لام عہد خارجی کا ہے، یعنی حضرات صحابہ۔

صحابہ کے حالات میں ایک عجیب پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ جو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریب تھے، ان کے حالات اتنے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، صحابہ کے حالات کی حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صاحب قرآن کے اصحاب واحباب کا جب علم ہو تو اس سے آپ کے محب خیر بلکہ سراپا خیر ہونے کا اندازہ ہو، کیوں کہ

آدمی اپنے دوستوں سے جانا جاتا ہے، حدیث شریف میں ''فلینظر الی من یخالل'' کہ جب تم کسی کے بارے میں جاننا چاہو تو دیکھو کہ وہ کیسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسا ہے، انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء کرام کے بعد اگر کوئی مقدس اور بہترین گروہ ہے تو وہ گروہِ صحابہ ہے، لہٰذا قرآن اور صاحب قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ قرآن پر اجتماعی عمل کیسے ہو؟ سنت اور قرآن کی اجتماعی تشکیل کس طرح ہوں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں امت نے کیسے جنم لیا؟ اور ان سوالات کے جوابات مکمل نہیں ہو سکتے تھے، مگر صحابہ کے احوال کے جانے بغیر، لہٰذا اللہ نے انتظام کیا، اور اولین حاملین قرآن اور اولین عاملین میں سے تقریباً پندرہ ہزار نفوس قدسیہ کے حالات نام بہ نام نسل بہ نسل دستیاب ہیں، اور الحمدللہ امت تب سے لے کر اب تک اور قیامت تک ان کے نقوش و خطوط سے استفادہ کرتی رہے گی، اور قرآن پر عمل کرنے کے لیے اسے معاون سمجھتی رہے گی، واللہ لطیف بالعباد۔

(۹) اب جب صحابہ جو قرآن کے الفاظ و معانی کے ساتھ ساتھ اس پر انفرادی و اجتماعی طور پر عمل کرنے والے اور دنیا کو یہ بتانے والے ٹھہرے کہ قرآن قابل عمل ہی نہیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے، تو ان کے حالات کے جاننے کے لیے، ان کے اصحاب جن کو تابعین کہا جاتا ہے، کے حالات کا قلمبند ہونا بھی ضروری تھا، تا کہ صحابہ کے حالات ہم تک یعنی ان کے بعد والوں تک صحیح طور پر پہنچے، تو اس کے لیے، ان تابعین و تبع تابعین کے احوال کا تحفظ بھی ضروری تھا، کرشمۂ الٰہی دیکھئے کہ ایسے چھ لاکھ افراد کے بارے میں پورا بایوڈاٹا یعنی مکمل معلومات کو بھی اللہ نے تحفظ بخشا اور وہ بھی سرسری نہیں بلکہ ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ، کہ یہ کون تھے؟ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟ ان کی شخصیت کس درجہ کی تھی؟ ان کا علم و فضل کس درجہ کا تھا؟ انہوں نے کس کس سے کسب فیض کیا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان میں کیا اچھائیاں تھیں وغیرہ۔ غرضیکہ اس طور پر منقی و مصفی کر کے سامنے رکھ دیا گیا ہے، کہ آدمی ان کی شخصیت سے اطمینان بخش حد تک معلومات حاصل کر لے۔ اس کو فن ''اسماء رجال'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا فن ہے کہ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہبی و غیر مذہبی فن میں نہیں ملتی، نہ مذہبی علوم میں اس کی مثال اور نہ غیر مذہبی علوم میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ چیزیں ہیں، جس کو قرآن کی حفاظت کی خاطر اللہ رب العزت نے حیرت انگیز انداز میں تحفظ بخشا، اور اپنے کامل قدرت کا مظاہرہ کیا، اللہ ہمیں قرآن کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ظاہر و باطن کو قرآن کے منشاء کے مطابق بنادے۔ آمین یارب العالمین!